خلیفہ عبدالحکیم مرحوم

قرآنِ کریم کا علم النفس

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے بانی ڈائرکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کی ایک ریڈیائی تقریر دستیاب ہوئی ہے، جو انھوں نے ۱۹۵۴ء میں کی تھی۔ اسے ریڈیو پاکستان لاہور کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے ——— (ادارہ)

مذہبی صحیفوں کے متعلق ہزارہا سال تک پیروانِ مذاہب کا یہ پختہ عقیدہ رہا کہ مذہبی صحیفے میں تمام علوم پائے جاتے ہیں۔ طبیعات، ہیئت یا علم الافلاک، نباتات و جمادات کا علم غرضیکہ حیات و کائنات کے تمام شعبوں کے متعلق مذہبی صحیفہ تمام حقیقی اور ضروری معلومات کا خزینہ ہوتا ہے۔ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے یا سورج زمین کے گرد گھومتا ہے، اس کا جواب بھی مذہبی صحیفے سے طلب کیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا رہا کہ علومِ طبیعہ یا علومِ عقلیہ کی ترقی قدم قدم پر دین سے متصادم ہوتی رہی۔ دین و دانش کی پیکار کا زیادہ تر یہی موجب تھا کہ دین عالمِ طبیعی اور عالمِ عقلی کے متعلق تفصیلی معلومات اور قوانین کا سرچشمہ خیال کیا جاتا تھا۔ اب بھی یہ صورتِ حال دنیا میں جابجا باقی ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جن کو یہ بصیرت حاصل ہو گئی ہو کہ دین ماہیتِ حیات اور اقدارِ حیات کی بابت ایک عقیدے یا ایک زاویۂ نگاہ کا نام ہے۔ اس کا کام اساسی طور پر ایک نظریۂ حیات پیش کرنا ہے، ہیئت یا نباتات اور جمادات کے قوانین کے متعلق تفصیلات کی تعلیم دینا یا متنازع فیہ مسائل میں حکم بننا اس کا وظیفہ نہیں ہے۔ دین کا اصلی اور انتہائی مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کو یہ بتائے کہ حیات و کائنات میں اشیاء و حوادث کی کثرت ایک وحدتِ حقیقی سے سرزد ہوتی ہے، اس وحدتِ ناظمہ اور محافظِ اقدار قوت کو خدا کہتے ہیں۔

اس خدا کی فطرت ہے جو دائم و قائم ہے اور اس میں کوئی بے اصول تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ حیات و کائنات کا ہر شعبہ اس فطرتِ الٰہیہ کا آئینہ دار ہے اور انسانی فطرت بھی اسی فطرتِ الٰہیہ پر ڈھالی گئی ہے۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ حقیقت فقط اتنی ہے اور جو کچھ اس سے الگ یا اس کے مخالف ہے وہ محض افسون و فسانہ ہے۔

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

اصل دین فقط اتنا ہے جس کو قرآنِ کریم نے ان مختصر ترین الفاظ میں بیان کر دیا ہے :

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا ۔ ذٰلک الدین القیم ۔

مظاہر طبیعہ کے متعلق قرآن نے کثرت و وحدت کا ایک اساسی رشتہ بنا کر انسان کی عقل کو آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے تجربے، مشاہدے اور استدلال سے اس حقیقت کو زیادہ سے زیادہ اپنے اوپر منکشف کرتا چلا جائے، اس انداز سے حاصل کردہ آفاق کا علم انسان کو دنیا شناس اور خدا شناس بنا دے گا۔ خدا نے یہ کام اپنے ذمے نہیں لیا کہ مظاہر کے تفصیلی قوانین اور حوادث کے تفصیلی آئین کا سبق انسان کو پڑھائے، ایسی معلومات کا حصول انسان کی اپنی علمی اور عملی جدوجہد کا نتیجہ ہونا چاہیے قرآن کے نظریے کے مطابق ایک عالم انفس ہے اور ایک عالم آفاق - یہ دو عالم ایک ہی حقیقتِ واحدہ کے دو رُخ ہیں، اس لیے ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا۔ ایک حقیقتِ واحدہ کا ظاہر ہے اور ایک اس کا باطن۔

اور حقیقت اس کو کہتے ہیں جس کے ظاہر اور باطن میں تخالف نہ ہو۔ عالمِ آفاق یا عالمِ طبیعی کے متعلق دین چند اساسی اصول بتا کر اس کی مزید تحقیق کو انسان کی تلاش پر چھوڑ دیتا ہے، اور وہ اساسی اصول ایسے ہیں کہ علومِ طبعیہ یا علومِ عقلیہ اس سے باہر نہیں جا سکتے۔ اسی طرح عالمِ نفس یا نفوس کے عالم کے متعلق بھی دین کی اس خالص صورت میں جسے اسلام کہتے ہیں کچھ بنیادی بیان کیے ہیں۔ ان اصول کو بیان کرنے کے بعد قرآن اس کا متقاضی ہے کہ اب تم اپنے نفوس کا گہرا مطالعہ کرو۔ یہ ایک بے پایاں عالم ہے لیکن یہ عالم بھی اپنی ایک مخصوص فطرت رکھتا ہے اور خاص آئین کے زیرِ نگین ہے، چونکہ دین کا مقصد نفسِ انسانی کی اصلاح ہے اس لیے قرآن میں نفسیات کے اصول عالمِ آفاق کے قوانین کے مقابلے میں کسی قدر زیادہ تشریح اور توضیح کے ساتھ ملتے ہیں۔ آج کی اس مختصر تقریر میں میں قرآنی علم النفس کے چند بنیادی حقائق بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جدید سائنس نے دینی عقائد کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور جدید نفسیات نے طبیعی سائنس کی معاون بن کر مذہب کی پوری طرح بیخ کنی کر دی ہے۔ آئیے دیکھیں کہ قرآن نفسِ انسانی کے متعلق کیا کہتا ہے:

نفسِ انسانی کی ماہیت یہ ہے کہ وہ طبیعی حوادث کی اتفاقی پیداوار نہیں، فطرت نے اس کو حقیقتِ

ازلی کا آئینہ بنانا چاہا ہے، اس میں عرفان کی صلاحیتیں ہیں، وہ محض تنازع للبقا یا STRUGGLE FOR EXISTANCE کا آلہ نہیں ہے بلکہ حقیقت شناسی کا آلہ ہے۔ خدا نے خود اپنی روح اس کے اندر پھونکی ہے، اس لیے روحِ انسانی اور روحِ الٰہی میں ایک ازلی رشتہ ہے۔ اگر نفسِ انسانی کی یہی حقیقت ہے تو اس پر اسرارِ حیات منکشف ہو سکتے ہیں، اس لیے لاادریت یا AGNOSTICISM کا قنوط تنگ نظری یا بے بصری کا نتیجہ ہے۔ انسان کو مایوس ہو کر سپر انداختہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ نفسِ انسانی حقیقتِ ازلی کا ہم ذات اور ہم صفات ہونے کی فطری صلاحیت رکھتا ہے۔ نفسِ انسانی خدا نہیں بن سکتا لیکن تخلق باخلاق اللہ کی مشق کرتا ہوا اس کا ہم رنگ ہوتا جاتا ہے۔ صبغۃ اللہ میں رنگے جانا اس کا مقصودِ حیات ہے۔

نفسِ انسانی دماغ کے MOLECULES یا سالمات کے تعامل کا کرشمہ نہیں۔ بقول مولانا روم:

قالب از ہست شد نے ما ازو

علم یا عرفان نفسِ انسانی کی فطرت میں داخل ہے۔ علمہ البیان —— علم آدم الاسماء —— علم الانسان مالم یعلم —— علم کو جہل پر ترجیح دینا اس کی ماہیت میں داخل ہے۔ نفسِ انسانی کے لیے علم کے تمام دروازے کھلے ہیں اور کھلے ہونے چاہئیں۔

روحِ انسانی اور روحِ الٰہی کی مماثلت سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جس قدر کسی شخص کو اپنے نفس کا عرفان ہوتا جائے گا اسی قدر اس کا عرفانِ الٰہی یا علمِ حقیقتِ ازلی بڑھتا جائے گا۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ - یہ عمل دونوں طرف سے ہوگا۔ عرفانِ رب سے انسان کا اپنے نفس کا عرفان بڑھے گا اور اپنے نفس کے عرفان سے عرفانِ ذات وصفاتِ الٰہیہ میں ترقی ہوگی۔

قرآن کے علم النفس میں ایک اور بنیادی حقیقت یہ بیان ہوئی ہے کہ نوعِ انسان میں اگرچہ افراد کی کثرت ہے اور ان کے انفرادی صفات میں بہت کچھ تنوع ہے لیکن اساسی طور پر تمام انسانوں کی فطرت ایک ہی ہے، اس لیے کہ تمام انسان ایک نفسِ واحدہ سے پیدا کیے گئے ہیں، جس طرح ہر نفس بذاتِ خود ایک وحدت ہے، اسی طرح تمام نفوسِ انسانیہ ایک وحدت کے رشتے میں منسلک ہیں۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃ وخلق منہا زوجہا، مرد و زن سب میں ایک ہی نفس ہے۔ جب افراد و اقوام اس حقیقت سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو ایک دوسرے سے الگ

سمجھنے لگیں گے اور اس وہم میں پڑ جائیں گے کہ ایک کے نقصان سے دوسرے کو حقیقی نفع حاصل ہو سکتا ہے وہ داخلی اور خارجی فتنہ و فساد میں مبتلا ہو جائیں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ نوعِ انسانی کی ابتدائی خلقت ہو یا بعد کے احیا و ارتقا کی صورت، اس کی بنا وحدتِ نفوسِ انسانی ہے، ماخلقکم ولا بعثکم الا کنفسٍ واحدۃ۔

نفسِ انسانی کی ایک اصلی اور نصب العینی حقیقت ہے اور ایک اس کی وہ حالت جو مادی اور جسمانی عالم سے وابستہ ہو کر اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیاوی زندگی میں نفسِ انسانی کا ایک رُخ بلندی کی طرف ہوتا ہے اور دوسرا رُخ پستی کی طرف۔ اس کیفیتِ نفسی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ثم رددنٰہ اسفل سافلین۔

فرائڈ کی قسم کی نفسیات کی نظر اس کے اسفل السافلین پر پڑتی ہے اور اس نے اسی پہلو کو نفس کی اصل قرار دے لیا ہے۔ فرائڈ اس کے نصب العینی یا الٰہی پہلو کو فریب فہم قرار دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں قرآن انسانی نفس کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے اور ان کے باہمی توافق و تخالف پر روشنی ڈالتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان جب بلند ہوتا ہے تو اس کے اعضا و جوارح کے افعال بھی خدا کے اپنے افعال بن جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے اور فراستِ مومن اس درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ ھو ینظر بنور اللہ اور اسفل السافلین میں گرتا گرتا یہاں تک گر سکتا ہے کہ وہ جانوروں کے مقابلے میں بھی پست تر ہو جائے۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل۔

جدید نفسیات نے انسان کی اندرونی کشاکش پر بہت روشنی ڈالی ہے اور اس کے اسباب و علل کو دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں مرض کی تشخیص کے بعد مختلف قسم کے نفسی معالجے بھی تجویز کیے ہیں۔ قرآن بھی اس نفسی پیکار کا ذکر کرتا ہے اور اس کا علاج تجویز کرتا ہے۔ قرآن کی PSYCHOTHRAPY بہت سادہ لیکن تیر بہدف نسخہ اکسیر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ خلل یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ نفس اپنی وحدت کو پس پشت ڈال کر کسی ایک خواہش یا چند خواہشات کو اپنے اوپر اس طرح حاوی کر لیتا ہے کہ وہ خواہشات پر قادر ہونے کے بجائے ان سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ کوئی ایک خواہش غیر معمولی قوت حاصل کر کے فقط آمر نہیں بلکہ امّار یعنی جابر اور ڈکٹیٹر بن جاتی ہے۔ نفس کی اس حالت کے متعلق کہا گیا ہے، ان النفس لامارۃ بالسوء

لیکن نفس میں اگر اس طرح امّارہ ہونے ہی کا میلان ہوتا تو تمام انسانی نفوس قعرِ مذلت میں گر جاتے، چوں کہ یہ گری ہوئی حالت نفس کی بنیادی حقیقت میں داخل نہیں اس لیے نفس کا نصب العینی پہلو اس کو ملامت کرنے لگتا ہے۔ نفس کی اس حالت کو قرآن نفسِ لوامہ کہتا ہے اور اس کو اس زور کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ خدا اس کی قسم کھاتا ہے۔ ولا اقسم بالنفس اللوامہ۔

یہ نفس لوامہ وہی نفس ہے جسے عام طور پر ضمیر کہتے ہیں۔ یہ آواز کبھی دھیمی ہوتی ہے اور کبھی تیز۔ زندگی میں کوئی غلط راستہ اختیار کرنے سے انسان کے اندر یہ احتجاج پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص غلطی کو غلطی سمجھ لے، اس کے بعد عمل کی کوتاہی سے کبھی جو لغزش سرزد ہو وہ قلبِ انسانی میں کوئی ناقابلِ علاج مرض پیدا نہیں کرتی، لیکن اگر بدی پر اصرار کیا جائے تو قرآن کی نفسیات کے بموجب یہ بدی مرض کی طرح لاحق ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر اخلاقی مریض اس مرض کو نہ سمجھے تو علاج نہ کرنے کی وجہ سے اس مرض میں خود بخود اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا۔ اللہ کے مقرر کردہ اخلاقی قوانین اور نفسی آئین اس مرض کو بڑھاتے جاتے ہیں لیکن اگر نفس لوامہ، نفس امارہ پر قابو پالے تو اندرونی کشاکش ختم ہو جاتی ہے اور نفسیاتی توازن قائم ہو جاتا ہے جس سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ تمام نفسی زندگی فطرتاً اسی توازن اور اطمینان کی طالب ہے۔ اور انسان بدی کے کبھی جو راستے اختیار کرتا ہے وہ اس غلط فہمی کی بنا پر کرتا ہے کہ اس طریقے سے اس کو جلد سرور و سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ ہر عمل میں حق کا ایک ہی سیدھا راستہ ہوتا ہے جسے صراطِ مستقیم کہتے ہیں اور اللہ لوگوں کو اسی راستے پر چل کر اپنے تک پہنچنے کی تلقین کرتا ہے۔ زندگی کو ایک بامقصد چیز سمجھنا اور اس کا حامل قرار دینا ایمان کہلاتا ہے۔ ایمان کے دو پہلو ہیں، ایک عرفان اور دوسرے عملِ صالح۔ اگر زندگی کے بامعنی سمجھنے کا ایقان اور اس معنی اور مقصود کی تحقیق کے لیے عمل صالح نہ ہو تو انسان کا نفسی خلجان ختم نہیں ہو سکتا۔

ایمان کے بغیر انسان زندگی کو ایک بے مقصد زحمت تصور کرے گا اور اس کو ہمیشہ یہی احساس ہوگا کہ یہ گھاٹے کا سودا ہے یا سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہے، جسے نہ نگل سکے نہ اُگل سکے۔ قرآن نے تمام عصر کو شاہد قرار دے کر اس نفسی حقیقت کو آشکار کیا ہے۔ ان الانسان لفی خسر۔ تمام انسان زندگی میں گھاٹے ہی میں ہیں جب تک کہ وہ بلند اخلاقی نصب العین پر ایمان رکھتے ہوئے اعمالِ صالحہ کو

اپنا شیوہ نہ بنا لیں۔ حق کا یقین اور پھر اس پر مستقل مزاجی سے عمل۔ جب کوئی شخص کسی نصب العین کو حق سمجھتا ہے تو اس کے حصول میں اگر اس کو تکلیف بھی پہنچے تو وہ اس زحمت کو بھی رحمت کا پیش خیمہ سمجھتا ہے۔ وہ ایمان کی اکسیر سے نقصان کو باطنی نفع میں تبدیل کر لیتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو ادھر اُدھر راحت کی تلاش میں بھٹکتا ہوا عارضی لذت کے سراب سے اطمینان کی پیاس بجھانا چاہتا ہے جس میں اسے کامیابی نہیں ہوتی۔ مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے:

گر گریزی با امید راحتے ہم در آں جا پیشت آید آفتے

ہیچ کنجے بے درو بے دام نیست جز بخلوت گاہِ حق عالم نیست

اس خلوت گاہِ حق پر پہنچ کر وہ کیفیت حاصل ہوتی ہے جسے نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔

زمانۂ حال میں علم النفس میں انسان نے بہت ترقی کی ہے، شعور سے گزر کر تحت الشعور کی گہرائیوں میں غوطے لگائے ہیں۔ کسی نے اس تحت الشعور سے موتی نکالے ہیں اور کسی کے ہاتھ فرائڈ کی طرح زیادہ تر کیچڑ ہی آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحت الشعور میں حکمت اور الوہیت کے بے بہا موتی بھی ہیں اور کیچڑ بھی ہے۔ تحت الشعور میں وہ روحِ الٰہی بھی ہے جو نفسِ انسانی میں پھونکی گئی، اور اسفل السافلین کا کیچڑ بھی ہے۔ کیچڑ کا طالب اس میں سے کیچڑ نکالتا ہے اور موتی کا طالب موتی حاصل کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ احسنِ تقویم کے ساتھ اسفل السافلین بھی موجود ہے۔ انسانی نفس رحمانیت اور شیطنت کا میدان کارزار ہے، جنت بھی اس کے اندر سے اُبھرتی ہے اور دوزخ بھی۔ مادیت کے زیرِ اثر جو علم النفس پیدا ہوا ہے وہ اسفل کو حقیقی اور ارفع کو نفس کا ایک خوش گوار دھوکا قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس قرآنی علم النفس نصب العینی انا کو حقیقی اور نفسِ اسفل کو حقیقت سے بُعد قرار دیتا ہے۔

فرنگ کی موجودہ نفسیات کا عام میلان یہ ہے کہ مادیت اور حیوانیت کو اساسی قرار دے کر انسان کی خدا طلبی کو وہمی قرار دے یا سرے سے نفس کے مستقل وجود کا ہی انکار کر دے۔ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن کی بنا پر ایک اعلیٰ درجے کا علم النفس تعمیر کیا جا سکتا ہے جس کے مقابلے میں فرائڈ، ینگ، آڈلر اور واٹسن کے تصورات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ مشتے نمونہ از خروارے، میں نے دو ایک نکتے قرآنی نفسیات کی اس مختصر تقریر میں بیان کیے ہیں۔ قرآن طبیعات اور ریاضیات کی کتاب تو نہیں لیکن نفسیات اس کا مخصوص موضوع ہے۔